پندرھویں قسط

حسرت

جناب عابد رضا صاحب بیدار رامپوری

اُردوئے معلیٰ کی پالیسی

اُردوئے معلیٰ کی دوبارہ اشاعت پر چند احباب نے بمقتضائے محبت و ہمدردی یہ صلاح دی کہ ہم کو اب پالٹکس سے دست کش ہو جانا چاہیے، بعض کا مشورہ یہ تھا کہ اگر سیاسی مضامین ہوں بھی تو مسلم لیگ کی مسلمہ پالیسی کے موافق ہوں، چند دوستوں نے جو نسبتاً زیادہ آزاد خیال ہیں، یہاں تک اجازت دی کہ اگر جمہور اہلِ ہند کی ہم خیالی منظور ہو تو کانگریس کے نرم فریق کی روش اختیار کی جائے ہم پر ان تمام کرم فرماؤں کے نیک مشوروں اور مصلحت کوش صلاحوں کا شکریہ فرض ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے خیال میں یقین یا عقیدہ عام اِس سے کہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی، ایک ایسی چیز ہے جسکو محض کسی خوف یا مصلحت کے خیال سے ترک یا تبدیل کر دینا، اخلاقی گناہوں میں سے ایک بدترین گناہ ہے جس کے ارتکاب کا کسی حریت پسند یا آزاد خیال اخبار نویس کے دل میں ارادہ بھی نہیں پیدا ہو سکتا، پالٹکس میں مقتدائے وطن پرستان مسٹر تلک اور سرگروہِ احرار بابو اربندو گھوش کی پیروی کو ہم اپنے اوپر لازمی سمجھتے ہیں، چنانچہ اِس حیثیت سے فیروز شاہی کانگریس سے ہم کو اتنی ہی بیزاری ہے جتنی امیری مسلم لیگ یا نوزائیدہ چندی کانفرنس سے، اور ہمارے خیال میں یہ بیزاری بالکل حق بجانب ہے؛ اس لئے کہ دنیا کی رفتار اور اہلِ دنیا کے طبائع کا میلان صریحاً حریت کی جانب ہے، چنانچہ خوابیدہ براعظم ایشیا میں بھی ہندستان کے سوا اور کوئی بڑا ملک اس وقت آزادی کی نعمت سے محروم نہیں ہے؛ پس عقلِ سلیم باور نہیں کر سکتی کہ تمام عالم میں صرف ہندستان ہی ایک ملک باقی ہے جس کی قسمت میں محکومی دوام کی ذلت لکھدی گئی؛

ایسا گمان بظاہر مشیت ایزدی کے سراسر خلاف نظر آتا ہے۔

غرضکہ ارباب دانش و بینش کو یہ بات ماننا پڑے گی کہ فرنگی حکومت کا غیر طبعی نظام ہمیشہ کیلئے ہندستان میں نہیں باقی رہ سکتا۔ اور اپنی موجودہ صورت میں تو اس کا چند سال بھی قائم رہنا دشوار نظر آرہا ہے۔

گرم فرق کے رہنما عموماً اور آربندگھوش خصوصاً اپنی تمام پولیٹکل کوششوں میں مذکورہ بالا اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں، اس لئے ہمارے نزدیک وہ حق پر ہیں۔

برخلاف اس کے رہنمایان فرق نرم، پیروان مسلم لیگ، اور بانیان ہندو کانفرنس اہل ہند اور دوامی محکومی کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں، کیونکہ ان حضرات کے نزدیک ہمارے انتہائی عروج کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہم غلام سے ترقی یافتہ غلام یا محکوم سے خوشحال محکوم ہوجائیں۔

یہ لوگ آزادی ہند کی خواہش کو خواب وخیال سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ ان کا دائرۂ خیال اور اس لئے دائرۂ عمل بھی نہایت تنگ اور محدود ہے، ان کی روش دنیا کی رفتار حریت کے خلاف اور اس لئے قطعی طور پر غیر طبعی اور ناقابل قبول ہے۔

اُردوئے معلیٰ کو ان لوگوں کی پالیسی سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ بقول مرحوم مصطفیٰ کامل پاشا،

" مفتوح قوموں اور ملکوں کے لئے اس کے سوا اور کوئی پالیسی نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی تمام ہمت کے ساتھ حریت کامل کے دوبارہ حاصل کرنے کی سعی میں مصروف ہوجائیں، پس جس شخص کی پالیسی اس سے کچھ بھی مختلف ہو، اس کی نسبت سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بہی خواہان وطن کے گروہ سے بالکل خارج ہے۔

(اُردوئے معلیٰ - نومبر ۱۹۰۹ء دور ثانی کا دوسرا پرچہ)

مسلمانان ہند کی حالت افسوسناک ہے کہ صاف طور پر اپنے درد دل کا اظہار بھی نہیں کرسکتے، اگر کوئی دبی زبان سے کچھ کہتا بھی ہے تو اس کے دوسرے بھائی اپنی ذاتی اغراض یا خوشنودی حکام کے حاصل کرنے کے لئے اُسے انتہا پسند بلکہ مفسدہ پرداز تک کا خطاب دینے میں دریغ نہیں کرتے، اخبار زمیندار لاہور کی مثال موجود ہے، اس اخبار کی گرم سے گرم تحریریں آزاد کانگریسی اخباروں کی نرم سے نرم تحریروں سے زیادہ نرم ہوتی ہیں بلکہ ہم نے تو جہاں تک دیکھا ہے ہر مضمون میں برطانیہ کی اطاعت و وفاداری کی تائید ہی پائی۔ لیکن اس پر بھی

پیسہ اخبار، وطن، ملت اور وقت اس غریب کی جان کے درپے ہیں - لاریب جس گروہ کی بزدلی کا یہ عالم ہو، اس کے معروضات کو پرکاہ سے کمتر سمجھنے میں برٹش مدبر بالکل حق بجانب ہیں " (اردوئے معلیٰ جنوری ۱۹۱۲ء)

مسلمان اخبار عموماً سرسید کی غلط پالیسی کے پیرو ہونے کے علاوہ پریس ایکٹ کی سختیوں سے اس درجہ خوفزدہ ہوگئے ہیں کہ ان کی تحریروں میں جدت خیالی یا آزادیٔ رائے کی تلاش ہمیشہ بے سود ثابت ہوا کرتی ہے چنانچہ مسلم گزٹ کو بھی ہم اس نقصِ عام سے بری نہیں کہہ سکتے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ دیگر مسلمان اخباروں کے مقابلے میں اس کے مضامین نسبتاً زیادہ آزاد اور اس کی رائے زیادہ بے باک ہوتی ہے "

(اُردوئے معلیٰ، فروری، مارچ ۱۹۱۲ء - مسلم گزٹ پر تبصرہ)

علی گڈھ کالج سے سید ہاشمی کا اخراج

یعنی پرنسپل ٹول کی شرارت، اور ڈاکٹر ضیاء الدین کی حماقت

دورانِ جنگ بلقان میں ممالکِ اسلام کی تباہی پر جمہور اسلام کی جانب سے جس عالمگیر جوش اور حمیت کا اظہار ہوا اس میں ایک اہم جزو متوسلین کی حیثیت سے علی گڈھ کالج کے طالب علم بھی شامل تھے اور یہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھا بلکہ ہمارے نزدیک تو جس حادثے نے بعض بے حس اور بے پروا افرادِ قوم میں بھی بیداری اور حرکت کے آثار پیدا کر دیئے ہوں، اس سے کالج کے تعلیم یافتہ اور حوصلہ مند نوجوانوں کا اثر پذیر نہ ہونا حیرت و افسوس کا موجب ہوتا -

متوسلینِ کالج میں سے اکثر لیڈر اپنی تحریروں اور تقریروں میں طلبائے کالج کے ایثار اور قومی ہمدردی پر اظہارِ فخر کرتے ہیں، اور ثبوت میں طالب علموں کی جانب سے ہلالِ احمر کی امداد کیلئے تا اختتامِ جنگ ترکِ لحم و دیگر لذائذ کی مثال بڑی آب و تاب کے ساتھ پیش کیا کرتے ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری کارروائی محض اس خیال سے کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو قومیت کا سبز باغ دکھا کر چندہ وصول کیا جائے ورنہ درحقیقت ان لیڈرانِ شوم میں کم لوگ ایسے ہیں جو مسلمانوں کے قومی جوش اور مذہبی حمیت کو فرنگیوں سے بھی زیادہ عداوت اور نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھتے ہوں؛ چنانچہ کچھ دنوں سے یہ بات علیگڈھ کالج کی روایاتِ مخصوص میں داخل ہوگئی ہے کہ اس کے احاطے میں جس طالبِ علم کی طرف سے آزادیِ خیال

عمل کا ذرہ برابر بھی اظہار ہوتا ہے اس کا اخراج لازمی قرار پاجاتا ہے۔

اس نامعقول طرزِ عمل کا بہترین نمونہ سید ہاشمی کا اخراج ہے جس کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ پرنسپل ٹول کی سیاسی پالیسی نے ہاشمی کی اسلامی حمیت کو جاسوسانِ حکومت کی طرف اشتباہ ونا راضی کی نظر سے دیکھا اور ان کو کالج سے نکال دینے کا تہیہ کرلیا، اب اگر کالج کا سکریٹری مسلمانوں کا سچا اور بے خوف خادم ہوتا یا اگر کالج کے دیگر با اختیار منتظموں کا دل اسلام کے حقیقی جوش سے آشنا ہوتا تو پرنسپل کا یہ ارادہ کبھی عملی صورت میں ظاہر نہ ہوسکتا، مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ ٹول سے زیادہ نواب اسحاق خاں اور اسحاق خاں سے زیادہ ڈاکٹر ضیاء الدین اور ڈاکٹر ضیاء الدین سے زیادہ پروفیسر انعام اللہ نافہم اور کج رائے ثابت ہوئے۔ بلکہ ہمارے خیال میں تو مسٹر ٹول کا طرزِ عمل کچھ زیادہ حیرت انگیز نہیں ہے کیونکہ برٹش قوم کے ایک فرد کی حیثیت سے اسلامی جوش کو اپنے سیاسی مقاصد کے خلاف سمجھنا اور بمقتضائے حزم و احتیاط خفیف سے خفیف تحریک کو خوفناک اور اہم خیال کرنا ان کے لئے ایک قدرتی بات تھی، مگر فرنگی ہوشیاری کا نمونہ دیکھئے کہ پرنسپل ٹول نے اپنے زمانۂ اقتدار میں بظاہر ہاشمی پر کوئی سختی نہیں کی، البتہ نفرین کے قابل ہے ڈاکٹر ضیاء الدین کی حماقت، جس کی بدولت انھوں نے ہاشمی کے سے ہونہار اور لائق فرزندِ کالج کو بے قصور خارج کرکے اس بزدلی اور ناخدا ترسی کا داغ ہمیشہ کیلئے اپنی شہرت کے دامن پر لگالیا جسے دراصل پرنسپل ٹول کے حصے میں آنا چاہئے تھا، بعض لوگوں کو تعجب تھا کہ پرنسپل نے اپنی رخصت کے زمانے میں ایک ہندوستانی کو اپنا قائم مقام بنانا کیونکر جائز رکھا، مگر اس واقعہ نے سارے عقدے کھولدیئے کہ جس فعل کو پرنسپل نے بربنائے ناگواری نہ خود کرنا چاہا نہ کسی یوروپین سے کرانا چاہا، اُسے ایک سادہ لوح ہندوستانی کے سپرد کردیا۔ مگر ضیاء الدین کو سادہ لوح خیال کرنے میں شاید ہم غلطی کر رہے ہیں کیونکہ ایسا بھی ممکن ہے کہ ان کا یہ فعل کسی آئندہ زمانے میں مستقل پرنسپل بننے کی خواہش پر مبنی ہو۔

ارباب دانش سے یہ امر مخفی نہیں ہے کہ حکومتِ ہند کالج کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر یوروپین اشاف کے تقرر کو اس لئے ضروری سمجھتی ہے کہ اُسے اپنی سیاسی مصلحتوں کی نگرانی کیلئے ہندوستانیوں پر اعتبار نہیں ہوتا، پس کچھ عجب نہیں کہ اگر ڈاکٹر ضیاء الدین اپنی رفتار و گفتار و کردار سے یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہوں

ے اعتباری اہلِ ہند کے اسباب میں سے کوئی سبب مجھ میں موجود نہیں ہے؛ اسلامی معاشرت سے میں
راز فرائض اسلام کے ادا کرنے سے مجھ کو نفرت، اسلامی ہمدردی سے میں بیگانہ، اور دینی حمیت اور
می جوش کا میں فرنگیوں سے زیادہ دشمن؛ پھر مجھ کو ہندستانی سمجھنا اور ہندستانی سمجھ کرنا قابلِ اعتبار سمجھنا کسی
رت سے جائز نہیں ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین نے ہاشمی کو خارج کیا اور اس بُری طرح خارج کیا کہ شب کو آندھی اور پانی کے زور میں
ن کو بورڈنگ چھوڑنا پڑا، اِس طوفانی شب میں بورڈنگ سے باہر جس طالبِ علم کے بنگلے پر ہاشمی نے شب
سر کی اُس کے اخراج کا بھی حکم صادر ہوتے ہوتے رہ گیا اور جس طالبِ علم نے ہاشمی کو کھانا کھلایا وہ واقعی خارج
یا گیا، دریافتِ حال پر ہاشمی کو اُن کا کوئی صریح جُرم نہیں بتلایا گیا، چند خفیف اور بے حقیقت اسباب
ملے پیش کئے گئے مگر ان میں کوئی بھی بجائے خود اہم نہ تھا؛ مثلاً ایک سبب یہ بتایا گیا کہ ہاشمی نے ڈنر کی
لفت کی، جس کا افسانہ اس طور پر ہے کہ محاصرۂ ادرنہ کے دوران میں بعض بندگانِ عیش نے ایک ڈنر
تیب دینا چاہا، لیکن ہاشمی نے اس میں شرکت سے اس بنا پر انکار کیا کہ اِن ایامِ مصیبت میں مصروفِ عیش
ما اچھا نہیں معلوم ہوتا، اب ظاہر ہے کہ ہاشمی کے اس فعلِ مستحسن کو جن لوگوں نے جرم قرار دیا ہے اُنکا وجود
سودِ اسلام و مسلمین کے لئے ننگ و عار کا موجب ہے؛ بدقسمت ہے وہ قوم جس کے فرزند پروفیسر
مام اللہ کے سے بندگانِ غرض کی نگرانی میں رکھے جائیں جو اسلامی فوائد کے خلاف اپنے مسلمان
ر دوں کے حق میں غمازوں اور جاسوسوں کا ہم پلّہ ثابت ہو۔

ہاشمی پر جتنے الزامات لگائے گئے ہیں، وہ سب کے سب بے بنیاد ہیں، پس ان کے اخراج میں
ٔن کالج کی جانب سے جس بزدلی اور اضطراب کا اظہار ہوا ہے، اس سے اگر کچھ ثابت ہو سکتا ہے تو صرف
لہ اہلِ علی گڑھ کے سیاسی مسلک کی بنیاد اس درجہ کمزور ہے کہ وہ ایک طالبِ علم کی منتبہ کوشش کا بھی مقابلہ
یں کر سکتی جسکے خوف سے ان پولیٹکل منافقوں کا گناہگار ضمیر ہر وقت لرزاں و ترساں رہا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ
کے شر سے اسلام کو محفوظ رکھے اور سید ہاشمی کو توفیق دے کہ وہ اپنی خداداد قابلیت کو آئندہ دین اور
سا کی خدمت میں صرف کریں اور "عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد" کے مصداق ثابت ہوں۔"

(اردوئے معلیٰ، مئی جون ۱۹۱۳ء)

اُردوپریس کا خاتمہ

۱۳ مئی ۱۹۱۴ء کو ۹ بجے شب کے قریب علی گڑھ کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولس نے بذاتِ خاص تشریف لا کر راقم حروف کے سامنے حکومت کی جانب سے ایک نوٹس پیش کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ اُردوپریس میں چونکہ از روئے پریس ایکٹ ۱۹۱۰ء چند الفاظ خلاف چھپے ہیں اس لئے ایک ہفتہ کے اندر تین ہزار کی ضمانت مجسٹریٹ ضلع کے پاس جمع کرنا چاہئے۔

واضح ہو کہ اردوپریس کی کل کائنات ایک لکڑی کے پریس اور دو پتھروں پر مشتمل ہے، جس کی مجموعی قیمت پچاس روپیہ سے زائد نہیں ہو سکتی، ایسے بے بضاعت پریس سے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کرنا مضحکہ انگیز ہونیکے علاوہ جبر سے گزر کر کینہ پروری کی حد تک پہنچ گیا ہے، جس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اُردوپریس کے جاری رہنے کا کسی صورت سے کوئی امکان ہی باقی نہ رہے۔

خیر، ۱۹ مئی کو پریس بند کر دیا جائیگا کہ آپ نے ایک بے مایہ دستی پریس سے اتنی کثیر رقم طلب کی جس سے زیادہ اس وقت تک شاید ہندستان کے کسی بڑے سے بڑے اسٹیم پریس سے نہیں لی گئی۔ ہم جناب موصوف کی اس خاص نوازش کو بمصداق "ہرچہ از دوست می رسد نیکوست" بخوشی برداشت کرتے ہیں۔

ایک بات البتہ قابلِ اطمینان اور لائقِ شکر ہے، وہ یہ کہ اِس نوٹس سے راقم کو کسی قسم کا مالی، جسمانی یا روحانی صدمہ نہ اُس وقت پہنچا، نہ آئندہ پہنچے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ، مسٹر جیمس مسٹن اور ان کے مانند جملہ اربابِ قہر و غرور کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی ناراضی اہلِ دولت وجاہ کیلئے خواہ کیسی ہی مہیب اور اہم کیوں نہ ہو، مگر ہم سے آزاد فقیروں کا اس سے مرعوب و مغلوب ہو جانا کسی صورت سے ممکن نہیں ہے۔

اُردوپریس ۱۹ مئی کو بند ہو جائے گا مگر الحمد للہ کہ وہ اپنا فرض ادا کر کے بند ہوگا۔ جن جن تحریکوں کو پیش نظر رکھ کر یہ پریس جاری کیا گیا تھا وہ اس وقت جملہ اہلِ ملک کو معلوم ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔

۱- نایاب ادبی کتابوں کی اشاعت بہت کچھ ہو چکی ہے۔ باقی آئندہ ہوتی رہے گی۔

۲- آزادیٔ خیال اور طلبِ حریت کا جذبہ جمہور میں عام ہو چکا ہے۔

۳- سودیشی اور بائیکاٹ کی روزافزوں ترقی کا زمانہ شروع ہو گیا ہے۔ اور

۴ - اب آخرکار، انجمنِ خدامِ کعبہ کی تجویز بھی مسلمانوں کے سامنے پیش کردی گئی ہے -

(اُردوئے معلّٰی، مئی، جون ۱۹۱۳ء)

لاہور کانگریس کے صدر منتخب، ہندستان کے مشہور حریت نواز اور نوجوان لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی بالآخر کچھ تو اپنی فطری و آبائی اعتدال پسندی کی بنا پر اور کچھ مہاتما گاندھی کے عیارانہ پند نصیحت سے مسحور ہوکر لارڈ اروِن کے تحفۂ غلامی کو ہدیۂ حریت قرار دیکر بدل وجان منظور کرلیا، اور ہمارے اسی قول کی عملی طور پر تصدیق کردی کہ اس وقت طول وعرضِ ہند میں بعض کمیونسٹ نوجوانوں کو چھوڑکر باقی ایک ہندو بھی ایسا موجود نہیں ہے جو واقعی دل سے ہندستان کے لئے آزادی کامل کا خواہاں ہو .... حریت کے سب سے بڑے مدعی جواہر لال نہرو کا خاتمہ اس طور پر ہوا ہے، اب مہاتما گاندھی کی روداد سُنیئے - یہ بزرگوار یہی نہیں کہ غلامی کو سوراج تسلیم کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں، بلکہ اس غلامی کو بھی صرف اس حال میں قبول کرنا چاہتے ہیں جبکہ اس کی صورت نہرو رپورٹ کی تجویز کے مطابق ہو (اخبار مستقل - ۷ نومبر ۱۹۲۹ء)

ڈومینین اسٹیٹس کی بہرحال ممانعت کرنا چاہیئے، اسلئے کہ یہ شے ہمارے مقصود یعنی آزادی کامل کی درمیانی منزل یا اس کا جزو نہیں بلکہ اس کے منافی اور مقابل واقع ہوئی ہے - اگر گاندھی جی ولایت پہونچ گئے، گول میز کانفرنس کامیابی کے ساتھ ختم ہوگئی، اور ہندستان کو درجۂ نوآبادیات مع تحفظات یا بلا تحفظات کسی طرح مل گیا تو آزادیٔ کامل کا مطالبہ ختم، یا ایک عرصۂ دراز کیلئے خواب وخیال ہوجائے گا -

(اُردوئے معلّٰی - جولائی و اگست ۱۹۳۱ء)

آزادیٔ کامل میرا نصب العین ہے اور میں کمیونسٹ ہوں، پہلے نیشنلسٹ تھا لیکن ۱۹۲۵ء سے میں نے نیشنلزم کو خیرباد کہا اور کمیونزم کو اپنا مسلک قرار دیا -

حسرت (بروایت عبدالشکور) ص ۲۳ ۱۹۴۴ء

"کمیونزم پالٹکس کی آخرترین اور بہترین شکل ہے اور اسی لئے ہمیں اپنے فرسودہ پروگرام کو ترک کرکے کوئی نئی راہِ عمل اختیار کرنا ہے تو وہ کیوں نہ لیں، جو بہترین اور آخرترین ہے"

پہلی آل انڈیا کمیونسٹ کانفرنس کانپور کا خطبۂ استقبالیہ (اُردوئے معلّٰی اپریل، جون ۱۹۲۶ء)

ہندستان کے متعلق میرے سیاسی نصب العین کا حال سب کو معلوم ہے کہ میں آزادی کامل سے کم کسی چیز کو کسی حالت میں منظور نہیں کرسکتا، اور آزادیٔ کامل بھی وہ جس کا دستور امریکا یا روس کے مانند لازمی طور پر (۱) جمہوری (۲) ترکیبی اور (۳) لامرکزی ہو اور جس میں اسلامی اقلیت کے تحفظ کا پورا سامان بھی بصراحتِ تمام موجود ہو۔

خطبۂ صدارت :- جمعیۃ العلمائے صوبۂ متحدہ، اجلاس الہ آباد - ۸، ۹ر اگست ۱۹۳۱ء
اردوئے معلیٰ - جولائی، اگست ۱۹۳۱ء

"سوشلزم صرف شخصی ملکیت یا پرائیویٹ پراپرٹی کے خلاف ہے؛ پرسنل پراپرٹی کے ہرگز ہرگز خلاف نہیں ہے؛ علاوہ بریں سوشلزم اختلافِ معیشت کے حق کو بھی تسلیم کرتا ہے، البتہ اتنا ضرور چاہتا ہے کہ درجۂ معیشت کے تعین کا حق افراد کو نہ ہو بلکہ سوسائٹی یا حکومتِ جمہوریہ کو حاصل ہو"

"سوشلزم اور مولانا ابوالکلام"

(اُردوئے معلیٰ اگست ۱۹۳۵ء)

—— باقی ——

تفسیر مظہری اُردو

تالیف حضرت قاضی محمد ثناء اللہ حنفی، پانی پتی رح

یہ عظیم تالیف جس کو ندوۃ المصنفین دہلی نے عربی میں مکمل شائع کیا تھا، اب اُردو میں شائع کی جارہی ہے، ابتک اسکی حسبِ ذیل جلدیں تیار ہوچکیں

تفسیر مظہری اُردو پارہ ۲۹، ۳۰ غیر مجلد ۸/- تفسیر مظہری اُردو جلد اول غیر مجلد ۸/۱۰

تفسیر مظہری جلد دوم (زیرِ طبع ہے)

آخر دسمبر میں طبع ہوکر آجائے گی۔

مکتبۂ برھان اُردو بازار جامع مسجد دہلی